بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں اجتہاد
اور
اس کی اہمیت

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

اجتہاد کے لغوی معنی مشقت برداشت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔

اجتہاد کے شرعی معنی: پوری دیانت سے فروعی شرعی احکام کو ادلۂ شرعیہ سے مستنبط کرنے میں اپنی انتہائی علمی قوت کو صرف کرنا۔[1]

ادلۂ شرعیہ: عام طور پر ادلۂ شرعیہ کا اطلاق اصول شرع پر ہوتا ہے جو چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس — مگر اجتہاد کی بحث میں ادلۂ شرعیہ سے مراد وہ دلائل ہیں جن پر مذکورہ چاروں شرعی اصول مشتمل ہیں جو زندگی بلکہ نظام عالم کے تمام مسائل پر منطبق ہوتے ہیں۔ اور جن کو مجتہد احکام کے جزئیات کے مقابلہ میں تفصیلی طور پر قائم کرتا ہے۔[2]

ضرورت دلائل: چونکہ ہر مسلمان اپنے روزمرہ کے مسائل میں شرعی احکام کا مکلف ہے جس کا دارومدار اس کے علم پر ہے جبکہ شرعاً وہی علم معتبر ہے

---

[1] فتاویٰ رضویہ ص ۳۷۵ ج ۱۱ امام احمد رضا خاں بریلوی۔

[2] اجلی الاعلام ص ۱۱ امام احمد رضا خاں بریلوی۔

جو کم از کم ایسی شرعی دلیل سے حاصل ہو جس سے اس کی طبیعت مطمئن ہو جائے یعنی جس دلیل سے ظن غالب حاصل ہو ورنہ۔

ام تقولون علی اللہ ما لا تعلمون۔[۳]

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو حالانکہ تمہیں علم نہیں۔

اور قل اللہ أذن لکم ام علی اللہ تفترون۔[۴]

ترجمہ: فرما دو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا اللہ پر افتراء باندھتے ہو، کا ارتکاب لازم آئے گا۔

اس لیے شرع میں کوئی ایسی بات مقبول نہیں جو شرعی دلیل پر مبنی نہ ہو۔[۵]

ضرورتِ اجتہاد:

یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ نظام عالم میں ہر مسلمان زندگی بھر علمی تحقیقات میں مصروف نہیں رہ سکتا ورنہ نظام عالم معطل ہو کر رہ جائے گا اس لیے شرع نے تقسیم کار کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کو زندگی کا نظام چلانے اور نظام عالم کے بقاء و ترقی میں مصروف رہنے کا حکم دیا کہ مسلمان ایک ایسا گروہ تیار کریں جو جدید پیش آمدہ مسائل میں ان کے لیے علمی تحقیقات میں مصروف رہ کر مدلل احکام حاصل کرے۔ عوام الناس تک پہنچائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا

---

۳ قرآن کریم، سورہ یونس آیت ۶۸۔

۴ قرآن کریم، سورہ یونس آیت ۵۹۔

۵ فتاوی رضویہ، ص ۳۸۲: ج ۱۱، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

الیہم لعلہم یحذرون[۵۶]۔

ترجمہ: تمام مومنین (حصولِ علم کے لیے) سفر نہیں کرسکتے پس کیوں نہیں ہر قوم میں سے ایک گروہ دین میں تفقہ کے لیے سفر کرتا تاکہ وہ واپس لوٹ کر اپنی قوم کو تبلیغ کرے ہو سکتا ہے وہ سبق حاصل کرلیں۔

مگر مسلمان خواہ عالم ہو یا غیر عالم مجتہد ہو یا غیر مجتہد ہر ایک اپنے اپنے مسائل میں شرعی دلیل سے اخذ کردہ علم کے مطابق عمل کا پابند ہے۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو دن رات علمی تحقیقات میں مشغول ہے اپنے روزمرہ کے مسائل میں ہر جزوی حکم کے مقابلہ میں دلائل کے جزئیات قائم کرسکتا ہے مگر عامۃ المسلمین جو نظامِ حیات کے دوسرے شعبوں میں مصروف ہیں وہ کیسے اپنے ہر مسئلہ کے لیے تفصیلی دلائل قائم کرسکتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ تکلیف مالایطاق ہوگی[۵۷]۔ اب دو صورتوں میں سے ایک لازمی طور پر اختیار کرنی ہوگی یا تو عامۃ المسلمین کو بھی پابند کردیا جائے کہ وہ بھی نظامِ حیات کو معطل کردیں اور دن رات اپنے مسائل کے لیے دلائل شرعیہ تلاش کریں تاکہ شرعی احکام کے مکلف ہوسکیں۔ یا پھر عامۃ المسلمین کے لیے کوئی ایسا انتظام ہو کہ یہ لوگ نظامِ عالم میں مصروف رہ کر اس کی بقاء و ترقی کا باعث بنیں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ادلہ شرعیہ سے ماخوذ احکام شرعیہ کے پابند بھی رہیں۔

چنانچہ قرآن پاک نے دوسری صورت کی طرف راہنمائی فرمائی اور فرمایا کہ ایک خاص گروہ ہی علمی تحقیقات کے ذریعے روزمرہ کے مسائل معلوم کرے اور عامۃ الناس کو بتائے در عوام ضرورت کے وقت اس گروہ کی طرف متوجہ ہوں اور ان سے سوال کریں جو وہ

---

۵۶ قرآن کریم، سورہ توبہ، آیت ۱۲۲۔

۵۷ اجلی الاعلام، ص ۷: امام احمد رضا خان بریلوی۔

بتائیں وہی ان کے لیے شرعی دلیل ہے[۵۸] اس سے معلوم ہوا کہ شرعی دلیل کی دو قسمیں ہیں ایک تفصیلی دوسری اجمالی۔ عوام الناس کو اپنے روزمرہ کے مسائل کے لیے کلیہ کے طور پر ایک اجمالی دلیل عطا کردی گئی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کافی بھی ہے اور آسان بھی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون[۵۹] - اہل ذکر سے دریافت کرو جو تم نہیں جانتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں اہل ذکر کا ہونا ضروری ہے، جو عوام کے لیے ان کے تمام مسائل میں شرعی دلیل مہیا کریں اور چونکہ ہر مسلمان بحیثیت مسلمان تمام شعبہائے زندگی میں شرعی احکام کا مکلف ہے جس کے لیے اسے شرعی دلائل کی ضرورت ہوگی جس کے لیے قرآن پاک نے تنبیہ فرمائی ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون[۶۰] - اپنی زبانوں سے جھوٹ کے طور پر کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ مت کہو یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے، بے شک جو اللہ تعالیٰ پر افتراء اور جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

لہٰذا اہل ذکر ایسے حضرات ہوں جو خود تمام احکام کے جزئیات کے مقابلہ میں دلائل کو جزئیہ کے طور پر جانتے ہوں یعنی احکامِ تفصیلیہ کے مقابلے میں دلائل تفصیلیہ سے آگاہ ہوں انہی تفصیلی دلائل کے جاننے والے کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ جس طرح عوام الناس شرعی اجمالی دلیل فاسئلوا اھل الذکر سے اخذ کردہ علم کے مطابق احکام شرعیہ کے مکلف ہیں

---

۵۸ الملل والنحل ص ۲۰۵، ج ۱، امام عبدالکریم شہرستانی۔

۵۹ قرآن کریم، سورہ الانبیاء، آیت ۷ -

۶۰ قرآن کریم، سورہ النحل آیت ۱۱۶ -

اسی طرح اہل ذکر بھی احکام شرعیہ تفصیلیہ کے لیے ادلہ تفصیلیہ کو قائم کرنے کے مکلف ہیں اور جس طرح عام مسلمانوں کو اہل ذکر کی تقلید ضروری ہے ورنہ وہ سائل نہ قرار پائیں گے جبکہ ان کے لیے سائل ہونا واجب ہے اسی طرح اہل ذکر کا تقلید سے آزاد ہونا ضروری ہے ورنہ وہ سائل قرار پائیں گے جبکہ اہل ذکر مسئول ہیں۔[11]

مراتب اہلیت :

امت مسلمہ کے جن دو طبقوں کا ذکر ضرورت اجتہاد کے ضمن میں ہوا وہ اسلامی معاشرہ کے دو ایسے طبقے ہیں جن میں سے علمی طور پر ایک انتہائی بلند ہے اور دوسرا انتہائی پست، اس لیے دونوں سے متعلق احکام ایک دوسرے سے انتہائی مختلف ہیں یعنی مجتہد مطلق یا مجتہد فی الشرع اور دوسرا عامۃ المسلمین مگر ان دونوں طبقوں کے درمیان متعدد ایسے طبقات ہیں جن میں سے بعض مقلد ہونے کے باوجود مجتہد کہلاتے ہیں۔ اور بعض عالم اور فقیہ ہونے کے باوجود مقلد کہلاتے ہیں[12]

اس کی وجہ یہ ہے کہ علمی تحقیقات میں مصروف ہونے کے باوجود ہر ایک مجتہد مطلق نہیں بن سکتا زکاوت طبع، شوق، محنت، وقت اور وسائل وغیرہ عوارض کی بنا پر فہم و ادراک میں تفاوت ہوتا ہے۔ ظاہری اسباب کے تفاوت کی طرح باطنی کیفیات میں بھی تفاوت ہوتا ہے[13] پھر مجتہدین میں جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہ عام طور پر یہی ہوتے ہیں اسلئے اجتہاد کے میدان میں

۱۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ظاہری اسباب حاصل کر لینے کے بعد ایسی قوت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر وہ احکام شرعیہ اور ادلہ تفصیلیہ کو قرآن و حدیث سے حاصل

---

[11] فتاویٰ رضویہ ص ۲۸۳، ج ۱، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

[12] الموافقات ص ۱۱۴، ج ۴، امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔

[13] الموافقات ص ۹۰، ج ۴، امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔ تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۰۲، ۱۱۰، ابو زہرہ

کرنے کے لیے استنباط واستخراج کے قواعد وضع کر سکتے ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ تمام احکام کے لیے تفصیلی طور پر دلائل کا استنباط کر سکتے ہیں یہ لوگ مجتہد مطلق یا مجتہد فی الشرع کہلاتے ہیں[۱۴] (۲) بعض وہ ہیں جو اگرچہ استنباط کے قواعد وضع کر سکتے ہیں مگر وہ کسی دوسرے امام کے قواعد کو ہی اپنا کر تمام مسائل اور ان کے دلائل کا استخراج کرتے ہیں۔ یہ حضرات مجتہد منتسب کہلاتے ہیں کیونکہ اجتہادی قوت کا کمال ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو دوسرے امام کے قواعد سے منسوب کر لیا ہے جبکہ (۳) بعض کو یہ قواعد وضع کرنے کی استعداد نصیب ہی نہیں ہوتی اس لیے وہ کسی امام کے وضع کردہ قواعد کے پابند رہ کر اجتہادی عمل کرتے ہیں۔ ان حضرات کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قدرت نہ ہونے کی بناء پر انہوں نے کسی امام کے اصول وقواعد کو اپنایا اور اس امام کے اقوال واستخراجات کو دلائل سے مضبوط کیا اور (۴) بعض نے ان مسائل کے احکام کو بیان کر دیا جنہیں امام نے منصوص نہیں کیا ان حضرات کو مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بعض مسائل میں اجتہادی خدمات سر انجام دی ہیں۔ (۵) اور ان میں سے بعض اگرچہ قواعد وضع نہیں کر سکتے یا تمام احکام کے لیے دلائل قائم نہیں کر سکتے مگر کسی امام کے قواعد کے مطابق اس کے مجمل اور مبہم اقوال کی تشریح وتبیین کر سکتے ہیں ان کو اصحاب تخریج کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے امام کے قواعد کو بروئے کار لا کر اس کے اقوال کو واضح کیا ہے۔ (۶) اور ایک وہ طبقہ ہے جو اپنے امام کے قواعد کی روشنی میں اس کے اقوال کی تطبیق اور ترجیح کا کام کرتا ہے مثلاً ایک مسئلہ من وجہ ایک قاعدہ کے تحت ایک حکم کو چاہتا ہے جبکہ من وجہ دوسرے قاعدہ کے تحت دوسرے حکم کو چاہتا ہے تو ایسی صورت میں ترجیح یا تطبیق کی ضرورت ہوتی ہے ان حضرات کو اصحاب ترجیح کہا جاتا ہے؛

---

[۱۴] رسم المفتی ص ۳، امام محمد امین ابن عابدین شامی۔

اور فقہاء میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا مدارج میں حاصل شدہ کام کی تدوین اور ترتیب کا کام کیا ہے ان کو اصحاب متون کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اجتہادی کام کو تدوین کی صورت میں پیش کیا۔

اور آخر میں فقہاء کا وہ طبقہ ہے جو معاشرے میں پیش آمدہ مسائل کو مدونہ کتب کے جزئیات سے حل کرتا ہے ان کو اصحاب فتاویٰ کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے مدونہ کتب کے مطابق فتاویٰ جاری کئے اور پیش آمدہ جزئیات کو کتب میں مذکورہ جزئیات پر قیاس کیا۔[15]

فقہاء کے آخری دو طبقے محض مقلد ہوتے ہیں مگر عوام کی نظر میں مسئول قرار پاتے ہیں لیکن پہلے چھ طبقات میں اوّل کے ماسوا ان امور میں اپنے امام کی نسبت سائل اور مقلد قرار پائیں گے جن امور میں انہوں نے امام سے استفادہ کیا۔ ان امور میں مجتہد اور اہل ذکر قرار پائیں گے جن کو انہوں نے خود اپنی استعداد سے تیار کیا لہٰذا یہ لوگ من وجہ مجتہد اور من وجہ مقلد اور سائل قرار پائے۔[16]

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلیت کے لحاظ سے امت مسلمہ چار حصوں میں منقسم ہے، مجتہد مطلق، مجتہد مقید، مقلد مستفید اور مقلد مفید۔

مجتہدین کے طبقات: (۱) مجتہد مطلق یا مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد منتسب (۳) مجتہد فی المذہب (۴) مجتہد فی المسائل (۵) مجتہد صاحب تخریج (۶) مجتہد صاحب ترجیح۔ آخری چار مجتہد مقید کی اقسام ہیں۔[17]

---

[15] مفید المفتی ص ۲۶، ۲۷، مولانا عبد الاول جونپوری۔ رد المحتار ص ۵۲، ج ۱، امام ابن عابدین شامی۔

[16] تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۱۱، ابو زہرہ مصری۔

[17] رسم المفتی ص ۲، ۳، امام ابن عابدین شامی۔

مقلدین کے مراتب: (۱) عوام الناس جو ہر مرحلہ میں سائل و مستفید ہی ہو سکتے ہیں (۲) اصحاب فتاوی (۳) اصحاب متون آخیری دونوں مرتبے اگرچہ خالص مقلد ہیں مگر عوام الناس کے لیے مفید ہوتے ہیں اور ان کے لیے مجتہدین کی ترجمانی کرتے ہیں۔

مجتہد اور مقلد کی شرعی حیثیت: عوام الناس یعنی مقلدین جس طرح احکام شرعیہ پر عمل کے لیے دلائل شرعیہ کے حصول تک دو مرحلوں سے گزرتے ہیں ایک مرحلہ دلائل کے حصول کی نوعیت کا علم اور دوسرا مرحلہ بالفعل دلائل کا علم۔ پہلے مرحلہ کے لیے قرآن نے ان کی رہنمائی کر دی ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمو ن۔ جس کی بنا پر ان لوگوں کو احکام کی جزئیات کے لیے اہل ذکر کی طرف رجوع کرنے کو کہا گیا ہے، اس مرحلہ میں عوام کے لیے یہ دلیل اجمالی ہے جس سے صرف دلائل تفصیلیہ کے حصول کی نوعیت حاصل ہوئی مگر ہر جزوی حکم کے لیے ان کو دلیل حاصل کرنا باقی ہے اور وہ مجتہدین کا وہ قول ہوگا جو وہ عوام کے سوال کے جواب کے طور پر پیش کریں گے اس مرحلہ کے لیے قرآن نے یوں رہنمائی فرمائی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسو ل و اولی الامر منکم۔[۱۸] اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اللہ کی اور صاحب امر کی جو تم میں سے ہیں۔ اس آیت میں اولوالامر سے مراد مجتہدین کرام ہیں[۱۹] اس طرح ان کے جزوی حکم کی دلیل قول مجتہد قرار پائے گا[۲۰]

---

[۱۸] قرآن کریم: سورہ النساء، آیت ۵۹۔

[۱۹] تفسیر کبیر: ص ۱۵۰؛ ج ۱۰؛ امام فخرالدین رازی۔

[۲۰] الموافقات: ص ۲۹۲؛ ج ۴؛ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔

اس لیے عوام الناس اگر مقلد ہیں تو ایسی دلیل کی بنا پر جو قطعی بھی ہے اور شرعی بھی۔ اور اگر وہ اپنی زندگی میں احکام شرعیہ کے عامل ہیں تو بھی وہ اپنے حق میں دلائل شرعیہ کی بنا پر عامل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے مرحلہ کے لیے دلیل اجمالی ہے اور بطور قاعدہ کلیہ ہے اور دوسرے مرحلہ میں احکام کی تفصیلات کے مطابق دلائل بھی تفصیلی ہیں اسی طرح مجتہدین حضرات بھی اپنے دائرہ کار میں دو مرحلوں سے گزرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ کہ احکام تفصیلیہ کے لیے دلائل تفصیلیہ کی نوعیت کا علم جس کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت تھی جو ان کو اجتہاد کا مکلف قرار دے کر ان پر اجتہادی عمل کو لازم کر دے اس بارے میں قرآن کریم نے رہنمائی دی ہے: ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔[۲۱] لیتفقھوا فی الدین[۲۲]۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔[۲۳] لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔[۲۴]

ان آیات میں احکام تفصیلیہ کے لیے دلائل حاصل کرنے کے لیے اجتہاد، استنباط اور مجاہدہ برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی بنا پر یہ عمل واجب قرار پایا مگر یہ مذکورہ آیات دلائل کا اجمالی بیان ہے جبکہ احکام کے جزئیات کے مقابلہ میں تفصیلی دلائل قائم کرنا باقی ہے اور یہ تفصیلی عمل سے حاصل ہوں گے جس کی طرف مذکورہ آیات میں سے آخری آیۃ میں مجتہدین کے لیے تفصیلی دلائل کی طرف رہنمائی کر دی اب جس طرح مجتہد اپنے اجتہادی عمل میں مصروف ہیں تو دلائل قطعیہ کی بنا پر[۲۵]۔ اسی طرح وہ احکام تفصیلیہ

---

[۲۱] قرآن کریم؛ سورہ الزمر آیت ۹۔

[۲۲] قرآن کریم؛ سورہ التوبہ: آیت ۱۲۲۔

[۲۳] قرآن کریم: سورہ العنکبوت: آیت ۶۹۔

[۲۴] قرآن کریم؛ سورہ النساء: آیت ۸۳۔

[۲۵] اجلی الاعلام: ص ۷، امام احمد رضا خان بریلوی۔

کے لیے تفصیلی دلائل وضع کرتے ہیں تو دلیل کی بنا پر۔ غرضیکہ ہر مسلمان اپنے دائرہ کار میں احکام شرعیہ پر عمل پیرا ہے تو صرف شرعی دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ علم کی بنا پر اور کوئی مسلمان بھی بغیر دلیل محض تقلید کی بنا پر عمل کا تصور نہیں کر سکتا اور جو کچھ بھی کرتا ہے وہ علی وجہ البصیرت کرتا ہے خواہ یہ مسلمان مجتہد ہوں یا مقلد۔[26]

اس تقریر سے اس شبہہ کا بھی ازالہ ہو گیا کہ شرع میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے تو پھر کیونکر ائمہ کی تقلید کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ شریعت میں جس تقلید کی مذمت ہے وہ جاہلانہ تقلید تھی جو کسی دلیل پر مبنی نہ تھی بلکہ احبار و رہبان کے من گھڑت حلال و حرام کو حلال و حرام قرار دیا جاتا جبکہ احبار و رہبان کے پاس حلال و حرام کہنے کی کوئی دلیل نہ تھی اور نہ ہی عوام کے پاس ان کی پیروی کو لازم قرار دینے کی کوئی دلیل تھی۔[27] لوگ اپنے آباء و اجداد کی رسم پر عمل پیرا ہوتے جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم یہ عمل کیوں کرتے ہو تو جواب میں آباء و اجداد کا حوالہ دیا جاتا جبکہ شرعی تقلید ایک ایسی دلیل پر مبنی ہے جو خود قرآن نے عطا کی ہے اور مقلد مسلمان قرآن کی نص قطعی فاسئلوا اھل الذکر (الآیہ) پر عمل پیرا ہے نہ کہ آباء و اجداد کی رسم پر اور نہ ہی کسی غیر اللہ کے حکم پر وہ اندھی تقلید کا حامل ہے بلکہ ہر مسلمان علی وجہ البصیرت شریعت پر عمل پیرا ہے اور وہ اپنے عمل میں ایک کلیہ کے تحت جزئیات کا متلاشی ہے۔[28]

اجتہاد و وقت: اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ میں بعض ایسے مسائل نے جنم لیا جن کا

---

[26] فتاویٰ رضویہ، ص ۳۸۴، ج ۱، امام احمد رضا خاں بریلوی۔ تاریخ المذاہب الفقیہہ، ص ۷۹، علامہ ابوزہرہ مصری۔

[27] ترمذی شریف، ص ۱۴۴، ج ۲، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔

[28] اجلی الاعلام، ص ۷، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

حکم صراحتاً کتب فقہ میں نہیں ملتا نیز اگر نئے مسائل کو غور فکر سے دیکھا گیا تو ان کا ظاہر عدم جواز کو چاہتے ہیں جبکہ وقتی ضرورت اس کے جواز کی طالب ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے اس لیے اس موقعہ پر مجتہد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ان مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور امت کو ان درپیش مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کر دیتا ہے مگر قابل غور امر یہ ہے کہ ایسے مسائل کی نوعیت کیا ہے اور ان کے حل کے لیے کس درجہ کے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ آج تک ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی پیدا ہونا ممکن ہے جو ائمہ اربعہ کے وضع کردہ اصول و قواعد سے خارج ہو۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے قواعد ایسے جامع ہیں جن کے تحت قیامت تک پیدا ہونے والے ممکنات داخل ہیں۔[29] بلکہ صرف تنہا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وضع کردہ اصول و قواعد کے متعلق یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے کہ ان کے قواعد ایسے جامع ہیں جو ممکنات پر حاوی ہیں اور آج تک کم از کم کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں کیا جا سکتا جو آپ کے وضع کردہ قواعد و اصولِ استنباط سے خارج قرار دیا گیا ہو۔

لیکن تنزلاً ہم ائمہ اربعہ کے مجموعی قواعد کی بنیاد پر استفسار کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی کے ذہن میں کوئی شبہ ہو تو وہ کوئی مثال پیش کرے ہاں وہ شخص جو قواعد و اصول ائمہ سے ... ہو تو وہ اپنی بے خبری کی بنا پر شکوک و شبہات کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ مگر اہل علم و ... اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے متعلق یہ اختلاف مو... ہے کہ وہ مجتہد مطلق یعنی مجتہد فی الشرع کے منصب پر فائز ہیں یا نہیں[30] اور اس انتہا...

---

[29] تاریخ المذاہب الفقہیہ، ص ۸۰، علامہ ابوزہرہ مصری۔

[30] مفید المفتی، ص ۶۸، مولانا عبدالاول جونپوری۔ تاریخ المذاہب الفقہیہ، ص ۳۲۳، علامہ ابوزہرہ م...

کی وجہ یہی ہے کہ آپ کے وضع کردہ قواعد آپ سے سابق ائمہ ثلاثہ کے وضع کردہ اصول سے خارج نہیں۔ بلکہ آپ کے اکثر اصول ائمہ سابقین میں سے کسی نہ کسی امام کے اصول سے ضرور مطابق ہیں۔ تو جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے زمانہ تیسری صدی ہجری تک اصول و قواعد اجتہادیہ کی وسعت اور جامعیت کا یہ عالم ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کو ان سے خارج کسی قاعدہ کی گنجائش نہیں ملی تو آج کون ہے جو احمد بن حنبل کی طرح دس لاکھ احادیث کے متون واسناد کا حافظ ہوگا جو یہ دعویٰ کرے گا کہ قرآن وحدیث کا فلاں کلیہ یا جزئیہ ان ائمہ اربعہ کے قواعد سے خارج ہے جب یہ امر مسلم قرار پایا کہ ائمہ اربعہ کے اصول و قواعد قرآن وحدیث کے کلیات وجزئیات کو حاوی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اب جدید قواعدِ اجتہادیہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نئے مجتہد کو تو ایسے جدید قواعد وضع کرنے ہوں گے جو ائمہ سابقین کے قواعد کے مغائر ہوں اور پھر ان قواعد کی روشنی میں استنباط کرے اور کسی دوسرے کے وضع کردہ قواعد و اصول کی تقلید نہ کرے کیونکہ کسی دوسرے کی تقلید کرنے والا مجتہد مطلق کے عظیم لقب سے متصف نہیں ہوسکتا۔ شریعت تو اس حقیقت کا نام ہے جو قرآن وحدیث سے متفرع ہو جس کے اصول وضع ہو چکے ہیں اور کسی نئے قاعدہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں۔

ہاں شریعت کسی اور چیز کا نام ہو تو یہ ہماری بحث سے خارج ہے اس نفس الامری حقیقت کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اب کسی مجتہد مطلق کی ضرورت نہیں اب اگر کسی وقت ضرورت پیش آتی ہے یا آسکتی ہے تو صرف اس امر کی کہ جب کوئی ایسا نیا مسئلہ پیش آئے جس کو مجتہد فی الشرع نے اپنے اصول کے تحت مستنبط نہیں کیا۔ یعنی امام نے اس کے استنباط پر نص وارد نہیں کی یا مجتہد امام نے اس کو مجمل چھوڑ دیا یا مبہم رکھا یا یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ کس قاعدہ کے تحت داخل ہے

جبکہ کئی وجوہ سے مسئلہ متعدد قواعد کے تحت آسکتا ہے تو ایسی ضرورت کے موقع پر ایسے مجتہد کی ضرورت ہے جو اپنے امام کے قواعد پر رسوخ رکھتا ہے اور وہ اپنی مہارت کی بنا پر پیش آمدہ نئے مسائل کو مجتہد امام کے کسی اصول کے تحت داخل قرار دے کر اس کے لیے حکم کا استنباط کرے یا دوسری صورت میں ایسے مجتہد کی ضرورت ہے جو اس کو کسی قاعدہ کے تحت قرار دیتے ہوئے تفصیل و تبیین کرے یا تیسری صورت میں ایسے مجتہد کی ضرورت ہے جو اس میں ترجیح کا عمل کر سکے جبکہ یہ تمام ممکنہ ضروریات مجتہد مقید کے افراد مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل مجتہد صاحب تخریج اور مجتہد صاحب ترجیح سرانجام دے سکتے ہیں۔

لہٰذا اگر ضرورت کسی وقت پیش آسکتی ہے تو مجتہد مقید کے آخری تین افراد میں سے کوئی فرد اسے پورا کر سکتا ہے[۳۱] چنانچہ تاریخ اسلام میں تیسری صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر آج پندرھویں صدی ہجری کی ابتداء تک کسی مرحلہ پر مجتہد مطلق کی ضرورت کا پیش نہ آنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اب بھی اجتہاد مطلق کی کوئی ضرورت نہیں۔

کیونکہ تیسری صدی کے اوائل بلکہ اس کے بعد تک کا وہ زمانہ ہے جبکہ اسلامی ریاست کا دائرہ مختلف براعظموں تک پھیل رہا تھا اور نئے ملک اور نئی قومیں اور طرح طرح کے رسم و رواج اور ضروریاتِ شریعت کو دعوتِ فکر دیتے رہے مگر ان ادوار میں کسی مرحلہ پر یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ اب استنباطِ احکام شرع کے لئے نئے قواعد کی ضرورت ہے ہاں اندریں حالات جو بھی اجتہادی ضرورت پیش آئی تو ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے مجتہد حضرات نے اپنے امام کے قواعد واستنباط کی روشنی میں اس ضرورت کا

---

[۳۱] ابوحنیفہ وحیاتہ ترجمہ اردو، ص ۶۸۷، علامہ ابوزہرہ مصری۔

حل تلاش کر لیا۔

آج کا دَور تو وہ دَور ہے جو اپنے سابق میں صدیوں کے تجربات اور فقہاء ائمہ کرام کے وسیع ذخائر دامن میں لئے ہوئے ہے اور فتوحات کا سلسلہ رک جانے کی وجہ سے اب صرف وہی ملک اور قومیں ہیں جو صدیوں سے شریعت کے حلقہ بگوش ہیں۔ پھر آج یہ دعوٰی کرنا کہ اسلام کو اجتہاد فی الشرع اور مجتہد مطلق کی ضرورت ہے مضحکہ خیز ہے، پھر اسلامی تاریخ میں جس شخص نے اجتہاد اور آزادی کا فکر دیا وہ ابن تیمیہ ہیں وہ چونکہ ایک عظیم جامع شخصیت تھی اور علوم کے ماہر تھے اس لئے اپنے اس فکر کے باوجود وہ آخر دم تک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے مقلد اور حنبلی مسلک کے پابند رہے کیونکہ کوئی بھی عالم ہونے کی حیثیت سے یہ دعوٰی نہیں کر سکتا کہ اب قرآن و حدیث سے استنباط کے لئے نئے قواعد کی ضرورت ہے بلکہ امام ابن تیمیہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی امام کا مقلد ہو کر اس کے اصول و قواعد کو اپنا کر اجتہادی خدمات سرانجام دی جائیں [۳۲]

چنانچہ اسلامی ادوار میں اجتہاد مقید کا یہ سلسلہ کبھی معطل نہیں رہا۔ ائمہ اربعہ کے اصول و قواعد کے مقلدین نے ہر دَور میں ان قواعد کی روشنی میں اجتہادات سرانجام دیئے ہیں۔ چنانچہ احناف میں نویں صدی میں امام ابن ہمام کمال الدین صاحب فتح القدیر اور دسویں صدی میں امام ابن کمال پاشا شمس الدین احمد، گیارہویں صدی میں امام ابن نجیم مصری اور ان کے بھائی امام ابنِ نجیم صاحب بحر الرائق اور امام محمد حصکفی وغیرہ ہم بارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ (ہندوستان) تیرھویں صدی میں امام طحطاوی مصری اور امام ابن عابدین شامی اور چودھویں صدی میں امام احمد رضا بریلوی (ہندوستان) یہ سب حضرات اجتہادی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

---

۳۲ الموافقات: ص ۹۴، ج ۴؛ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔

آخرالذکر امام احمد رضا بریلوی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کو اگرچہ پچاس علوم میں امام قرار دیا گیا ہے مگر آپ کو فقہ میں جو خصوصی خداداد بصیرت حاصل تھی وہ سابقہ کئی صدیوں میں دور دور تک نظر نہیں آتی چنانچہ فقہ اور اصول فقہ میں آپ کا شاہکار فتاوی رضویہ جس کا نام العطایا النبویہ ہے اور جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ میں آپ نے ان تمام مسائل پر بحث کی ہے جو اب تک صدیوں سے اُلجھے ہوئے تھے اور سابق مصنفین ان سے صرف نظر کرتے چلے آرہے تھے یا ان کو جوں کا توں ہی نقل کرتے چلے آئے تھے آپ نے ان مسائل کو پیش کیا اور پھر شرعی قواعد و اصول فقہ کی روشنی میں ان پر اشکال وارد کئے اور آخر میں ان کا حل پیش کیا غرضیکہ انہوں نے اپنی اس عظیم تصنیف میں حنفی ائمہ جن میں سے بعض مجتہد فی المسائل تھے اور بعض اصحاب تخریج یا ترجیح تھے ان کی عبارات کو قواعد امام کی روشنی میں واضح کیا یا ان میں تطبیق دی اور ساتھ ساتھ اصول مذہب حنفی کی تشریحات بھی کرتے چلے گئے مقصد یہ ہے کہ فقہی میدان میں ضرورت کے وقت اجتہادی کام معطل نہیں رہا بلکہ باقاعدہ یہ کام سرانجام دیا جاتا رہا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وضع کردہ اجتہادی اصولوں کی خصوصیت

امام ابوحنیفہ کے اصول و قواعد کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ان کی وضع میں وسعت اور جامعیت کو پیش نظر رکھا تاکہ ایک مسلمان جس حیثیت میں بھی ہو جس ضرورت میں بھی مبتلا ہو اور زندگی کے کسی بھی پہلو میں اس کو رہنمائی کی ضرورت ہو اس کو حنفی اصول کی روشنی میں یہ رہنمائی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اصول فقہ کا مفہوم دوسرے ائمہ کرام کے پیش کردہ مفاہیم کی نسبت زیادہ وسیع پیش فرمایا۔ دیگر ائمہ نے صرف احکام فرعیہ شرعیہ کو ہی اصول فقہ کی تعریف میں شامل کیا جبکہ امام صاحب نے معرفة النفس مالها وعليها

پر اصول فقہ کی بنیاد رکھی ہے اس لیے دیگر ائمہ کے اصول، انسان کے ظاہری افعال اور ان کے احکام کو محیط ہیں جبکہ امام صاحب کے اصول انسان کے نفسیاتی امور و احوال کو بھی شامل ہیں[۳۳] اسی طرح دیگر ائمہ نے احکام میں صرف پانچ امور کو شامل کیا ہے جبکہ امام کی تعریف کے مطابق اس کے اقسام زیادہ ہو جاتے ہیں مثلاً دیگر ائمہ کے نزدیک اباحتِ شرعیہ کے حکم کو تسلیم نہیں کیا گیا جبکہ امام ابو حنیفہ کی تعریف کے مطابق اباحتِ اصلیہ اور اباحتِ شرعیہ کا فرق واضح کیا گیا ہے اس طرح دیگر ائمہ کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق نہیں مگر امام صاحب نے اس میں فرق کو واضح کر کے واجب کو علیحدہ حکم قرار دیا ہے۔[۳۴] اسی طرح امام صاحب کی تعریف اعتقادی امور کو شامل ہے جبکہ دیگر ائمہ کی تعریف سے یہ خارج ہے۔

اسی طرح دیگر ائمہ کے اصولوں کا تعلق عام طور پر عبادات و معاملات، اور مناکحات وغیرہ سے ہے جبکہ امام صاحب کے اصولوں کا تعلق مذکورہ امور کی طرح سیاست مدینہ اور احکام سلطانیہ بلکہ اس سے بڑھ کر بین الاقوامی امور سے بھی ہے[۳۵] یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں حکومت خواہ کسی بھی مسلک سے متعلق رہی ہو مگر احکام سلطانیہ اور سیاسی امور میں ہر اسلامی حکومت نے فقہ حنفی ہی کو اپنایا ہے۔[۳۶]

اس کے علاوہ معاشرتی زندگی میں رسم و رواج ضرورت اور حاجت، عام انسانوں

---

[۳۳] توضیح، ص ۲۸؛ امام عبید اللہ بن مسعود۔

[۳۴] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[۳۵] ابو حنیفہ وحیاتہ، ص ۱۰۱؛ علامہ ابو زہرہ مصری۔

[۳۶] رد المحتار، ص ۳۹، ج ۱۔ امام ابن عابدین شامی۔

کی سہولت اور اجتماعیت کو فقہ حنفی میں خصوصی اہمیت حاصل ہے بلکہ یہ امور اصول و قواعد میں شامل ہیں چنانچہ استحسان کی بنیاد انہی امور پر ہے اسی لیے عرف اور تعامل الناس کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور ہر مسلمان کے قول و فعل کو قانوناً ایک حد تک تحفظ دیا گیا ہے[۳۷] حنفی اصول کے تحت حلال و حرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے باقی احکام میں حتی الامکان عوام کی موافقت، سہولت اور ان کی اجتماعیت کو ترجیح دی جائے گی[۳۸] بلکہ عامۃ المسلمین کے معاملات کو اس وقت تک درست قرار دیا جائے گا جب تک ممانعت پر کوئی شرعی دلیل متحقق نہ ہو[۳۹] اسی خصوصیت کی بنا پر ائمہ اسلاف کی متفقہ رائے ہے کہ عوام کے لیے رفق و شفقت ہی ابوحنیفہ کی فقہ ہے[۴۰] امام شعرانی شافعی ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ عوام الناس کو امام ابوحنیفہ کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے وسیع گنجائش پیدا کی ہے[۴۱]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں اجتہادی اصولوں میں عوام کی ضرورت اور ان کے تعامل کو پیش نظر رکھنے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے مختلف اطراف سے تعلق رکھنے والے اپنے تلامذہ کی بڑی تعداد کو اپنی مجلس میں حاضری کا پابند کر رکھا تھا تاکہ مختلف علاقوں کے عرف و تعامل سے آگاہی ہو سکے جبکہ امام صاحب

---

۳۷ فتاویٰ رضویہ، ص ۳۸۵؛ ج ۱- امام احمد رضا خاں بریلوی- رسم المفتی، ص ۲۵؛ امام ابن عابد شامی- تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۶۳؛ علامہ ابوزہرہ مصری-

۳۸ فتاویٰ رضویہ، ص ۹۷؛ ج ۲؛ امام احمد رضا خاں بریلوی- تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۴۳؛ علامہ ابوزہرہ مصری-

۳۹ قاعدہ النظائر، ص ۶۰؛ (اصول امام کرخی) امام ابوالحسن الکرخی-

۴۰ تاریخ بغداد، ص ۳۳۹؛ ج ۳؛ حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب البغدادی، المیزان (اردو) ص ۳۳۹؛ ج ۱؛ امام عبدالوہاب شعرانی-

۴۱ المیزان (اردو)، ص ۱۶۳؛ ج ۱؛ امام عبدالوہاب شعرانی-

خود بھی ایک تاجر کی حیثیت سے مختلف ملکوں اور علاقوں کا دورہ کرتے رہے اور وہاں کے عرف اور تعامل الناس کے ماہر تھے اس مجلس میں قواعد کے تحت جب استخراج اور استنباط کے لیے بحث ہوتی تو امام صاحب تعامل الناس کی بنا پر جب کوئی استحسانی فیصلہ فرماتے تو تلامذہ کی بحث ختم ہو جاتی۔[۴۲]

حنفی اصولوں میں عوام الناس کے لیے آسانی اور وسعت، حنفی اصولوں کی بنیاد

ہی اس امر پر ہے کہ عوام کو شدت اور تنگی سے بچایا جائے اور ان کے لیے آسانی کی گنجائش پیدا کی جائے، چنانچہ شرعی احکام میں فرض و حرام یہ دو ایسے حکم ہیں جن میں پابندی کے لیے شدت اور سختی ہے، مثلاً فرض کا انکار کفر اور اس کا ترک موجب فسق ہے۔ اسی طرح حرام کو جائز قرار دینا کفر اور اس کا عمل موجب فسق ہے اب اگر فرض و حرام کا دائرہ وسیع ہو تو عوام کے لیے حرج اور تنگی کا دائرہ وسیع ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ عوام کے لیے یسر پسند اور عسر ناپسند ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[۴۳] اللہ تعالیٰ تمہارے لیے یسر پسند اور عسر ناپسند فرماتا ہے، اسی لیے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر ان کا دائرہ اور تعداد کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ کے نزدیک فرض و حرام کا اثبات ایسی نص سے ہوگا جو ثبوت اور دلالت دونوں طرح قطعی ہو اور اگر کوئی نص اس معیار پر نہ ہو مثلاً قطعی الثبوت ہو مگر قطعی الدلالۃ نہ ہو یا اس کے برعکس ہو، یا ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی نہ ہو تو

---

[۴۲] تاریخ المذاہب الفقہیہ، ص ۱۳۸، علامہ ابوزہرہ مصری۔

[۴۳] قرآن کریم، سورۃ البقرہ آیت ۱۸۵۔

ایسی نصوص سے فرض یا حرام ثابت نہ ہو سکے گا[۴۴] جبکہ دیگر ائمہ کرام کے نزدیک فرض اور حرام کے لیے یہ سخت شرائط نہیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں دیگر ائمہ کے ہاں فرائض و محرمات کی تعداد زیادہ ہو گی مگر امام ابوحنیفہ کے ہاں ہر شعبہ زندگی میں عام طور پر فرائض و محرمات کی تعداد کم ہو گی جس سے عوام الناس کو سہولت اور آسانی حاصل ہو گی اور نصوص کے ثبوت یا دلالت میں شبہ کا فائدہ عوام اور مکلفین کو حاصل ہوا اور یوں ان کے لیے کفر اور فسق کے مواقع اور ذرائع کم ہو گئے اسی طرح آپ کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان میں بھی عوام پر شفقت کا پہلو نمایاں نظر آئے گا مثلاً فرض کی ادائیگی کے اصول میں آپ کے نزدیک جو سہولت اور آسانی ہے وہ دیگر ائمہ کرام کے ہاں نہیں ہے کیونکہ حنفی اصول کے تحت مامور بہ کے اطلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر عمل کر لینا فرض کی ادائیگی کیلئے کافی ہے، مثلاً نماز میں رکوع یا سجدہ کو ادا کرنے میں رکوع کیلئے منہ کے بل جھک جانا اور سجدہ کیلئے زمین پر پیشانی کا لگا دینا کافی ہے کیونکہ قرآن میں رکوع اور سجدہ کا ذکر مطلق ہے اور اس میں کسی مزید قید کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا وارکعوا اور واسجدوا ــــــ کو ادا کرنے کے لیے رکوع اور سجدہ کے معنی کا مطلقاً تحقق، فرض ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس سے زائد مثلاً طمانیت یا اعتدال یا کسی اور کیفیت کا ذکر نہیں ہے لہٰذا سجدہ اور رکوع کی ادائیگی میں یہ زائد امور فرض نہ ہوں گے یوں امام ابوحنیفہ کے ہاں فرض کی ادائیگی میں سہولت اور آسانی ہو گی کیونکہ اطلاق میں وسعت ہے جبکہ تقیید میں عسر اور تنگی ہے حالانکہ دیگر ائمہ کے ہاں رکوع اور سجدہ کے فرض کو ادا کرنے کے لئے طمانیت کی زائد

---

[۴۴] رد المحتار، ص ۶۴، ج ۱، امام علامہ ابن عابدین شامی

کیفیت فرض ہے جس سے مکلف کو رکوع یا سجدہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا ہوگا۔[۴۵]

امام ابو حنیفہ اور شخصی آزادی

امام صاحب کے اجتہادی قواعد میں شخصی آزادی کو انتہائی اہمیت حاصل ہے آپ نے ہر پہلو میں شخصی آزادی کا تحفظ فرمایا ہے اور کسی طاقت کی مداخلت کی بجائے آپ شخصیت سازی میں اخلاقی احساسات کو اجاگر کرنے کے قائل تھے تاکہ قانونی جبر کی بنا پر بغض وعناد کی فضا پیدا نہ ہوسکے۔

ولایت نفس: ولایت نفس کو تحفظ دیتے ہوئے آپ نے حرہ عاقلہ بالغہ لڑکی کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے جبکہ باقی تمام ائمہ کرام لا نکاح الا بولی کے تحت کسی قریبی مرد ولی کے بغیر اس کو نکاح کا اختیار نہیں دیتے! امام صاحب کے نزدیک ولی کی یہ پابندی نابالغہ، مجنونہ اور لونڈی کے لیے مختص ہے۔[۴۶]

اسی طرح شادی شدہ لونڈی کے آزاد ہونے پر امام اعظمؒ نے اسے وسیع خیار دیا ہے کہ غلامی کے دور میں مالک کے کئے ہوئے نکاح کو وہ فسخ کر سکتی ہے خواہ اس کا خاوند حر ہو یا عبد ہو۔ جبکہ دیگر ائمہ کرام اس کو یہ اختیار صرف خاوند کے عبد ہونے کی صورت میں دیتے ہیں مگر خاوند کے حر ہونے کی صورت میں وہ یہ اختیار نہیں دیتے۔[۴۷]

مدبر، مکاتب اور ام ولد کی بیع کو بھی امام صاحب نے اسی لیے ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ ان کو مالک کی طرف سے ایک طرح استحقاق آزادی حاصل ہو چکا ہے جس کو

---

۴۵ بحر الرائق، ص ۲۹۳، ج ۱، امام ابن نجیم زین الدین مصری۔

۴۶ فتح القدیر، ص ۳۹۱، ج ۲، امام ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد

۴۷ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

اب کالعدم نہیں کیا جا سکتا جبکہ دیگر ائمہ کرام مدبر کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جس سے اس کا استحقاق متاثر ہو جاتا ہے[۴۸] یوں ہی اگر وصیت کے ذریعہ متعدد غلاموں کو مجموعی آزادی کا حق ملتا ہو تو آپ کے نزدیک وہ سب آزاد ہو جائیں گے اگرچہ ان سب کی قیمت وصیت کرنیوالے کے کل مال کے ثلث سے زائد ہو بلث سے بڑھ جانے کی صورت میں ہر ایک اپنے حصّہ کی زائد رقم ورثاء کو ادا کرے گا مگر دیگر بعض ائمہ کرام قرعہ اندازی کے ذریعہ بعض کو آزاد اور بعض کو محروم قرار دینے کا اختیار ورثا کو دیتے ہیں جس سے بعض غلام استحقاق حریت سے محروم ہو جاتے ہیں[۴۹]

تحفظ حقوق: حنفی فقہ میں حقوق کا تحفظ بھی اہم مسئلہ ہے، چنانچہ حنفی مذہب میں قضا علی الغائب کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں غیر حاضر شخص کے حقوق پامال ہونے کا خطرہ ہے جبکہ دیگر ائمہ کرام کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے اسی طرح حقوق زوجیت میں قاضی یا حاکم کو اس وقت تک فسخ نکاح کے لیے مداخلت کا اختیار نہیں جب تک نکاح کے بنیادی مقاصد کی ادائیگی کا امکان باقی ہے مگر بعض دیگر ائمہ کرام بعض وقتی شکایت کی بنا پر بھی قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔[۵۰]

ملکیت میں تصرف اپنی ملکیت میں تصرف کی آزادی بھی فقہ حنفی کی ایک خصوصیت ہے مثلاً جب کوئی لڑکا اپنے بلوغ میں کامل ہو جائے مگر اس کے باوجود فضول خرچی سے باز نہیں رہتا دیگر ائمہ کرام کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس فضول خرچ لڑکے کو اپنے مال میں تصرف سے محروم (محجور) کر دے مگر امام ابوحنیفہ

---

۴۸ ہدایہ ۱ ص ۵۲ ج ۱۲، امام علی ابن ابی بکر مرغینانی۔

۴۹ ردالمختار، ص ۲۰، ج ۳: امام محمد امین ابن عابدین شامی۔ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ، ص ۴۲۸، امام عبداللہ محمد بن عبد دمشقی۔

۵۰ فتح القدیر: ص ۲۶۹، ج ۳، امام ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد۔

کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بلوغ کامل کے بعد کسی شخص کو اپنے مال میں تصرف سے محروم کر دے۔ اگرچہ قاضی کو اس صورت میں دیگر تادیبی کارروائی کا اختیار ہے مگر کسی عاقل بالغ کے حق تصرف کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔[۵۱]

اسی طرح دیوالیہ کی صورت میں مقروض کے متعلق بھی دیگر ائمہ کی یہی رائے ہے کہ قاضی اس کو اپنی ملکیت میں تصرف سے محروم کر سکتا ہے مگر امام اعظمؒ کے نزدیک دیوالیہ مقروض کو بھی اپنی ملکیت میں تصرّف سے محروم کرنے کا اختیار قاضی کو نہیں ہے اگرچہ یہاں بھی قاضی کو دیگر کارروائی کی اجازت ہے۔

حرّیتِ فکر امام اعظم رحمۃ اللہ اپنی رائے میں حریت فکر کے زبردست حامی تھے ان کا مؤقف یہ تھا کہ ایک عالم کو آزادی فکر کا حامل ہونا چاہیے اور اسے اپنی سوچ میں آزاد منش ہونا چاہیے۔ اسی لیے آپ کا مؤقف یہ تھا کہ عالم کو چاہیے کہ وہ حکومت کی ملازمت سے آزاد رہے بلکہ اس کو خلیفہ وقت یا اس کے کسی ماتحت سے کوئی ہدیہ یا وظیفہ وغیرہ قبول نہیں کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی سوچ و فکر میں آزاد رہ سکے اور کلمہ حق کہنے میں بے باک رہ سکے چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں حکومت کی طرف سے متعدد پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور اپنی فکری آزادی کے تحفظ میں جان تک قربان کر دی۔[۵۲]

مذکورہ بالا وہ مسائل ہیں جن کو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں اقوام عالم نے اہمیت دی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ نے تیرہ سو برس قبل ہی ان کی اہمیت کو واضح فرما دیا تھا۔ اسی طرح آپ نے ان ممکنہ مسائل کے لیے بھی ضابطے وضع فرما دیئے جن کا وجود آپ کے زمانہ بلکہ

---

[۵۱] فتح القدیر، ص ۳۰۴، ج ۷ - امام ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد۔

[۵۲] تاریخ المذاہب الفقہیہ، ص ۱۴۸، ۱۴۹، علامہ ابوزہرہ مصری۔

بعد تک بھی نہیں تھا تاکہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل کو ان ضوابط کے تحت حل کرلیا جائے چنانچہ فرضی جزئیات کی بنیاد پر اصول وضع کرنے کے بارے جب امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ ایسے مسائل کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم ابتلاء اور تکلیف کے وقوع سے قبل ہی اس کا حل پیش کردینا چاہتے ہیں۔[۵۳]

فقہ حنفی کی اس وسعت کے پیش نظر یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل فقہ حنفی میں موجود ہے۔[۵۴]

۱۔ غلط فہمی کا ازالہ

اس مضمون میں ضرورت اجتہاد کے ضمن میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ معاشرہ کو اجتہادی عمل کی ضرورت ہے اور پھر بعد میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ضرورت کے مطابق اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے باصلاحیت لوگوں کو پیدا فرماتا رہے گا اس ضمن میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اجتہاد فی الشرع یا اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اجتہاد مطلق کا معنیٰ اور اس کا کام متعین ہے اس معنیٰ کے لحاظ سے اب یہ کام لغو ہوگا کیونکہ غیر ضروری امر بالآخر لغو قرار پاتا ہے۔

مگر اجتہاد مطلق کے متعلق آج تک کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ یہ ممتنع ہے اور ممکن ہی نہیں رہا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی ایسی شرائط رکھی گئی ہیں اور نہ ہی فقہا کرام نے بیان کی ہیں جو ما فوق البشریت ہوں اور ان کا حصول انسان کے لیے محال ہو یا انسان کی وسعت سے خارج ہو اس میں شک نہیں کہ شریعت میں احکام اور مفہومات کے لیے شرائط رکھی گئی ہیں اسی طرح شریعت اسلامیہ میں

---

[۵۳] ابوحنیفہ وسیاتہ: ص ۲۰۳، علامہ ابوزہرہ مصری۔

[۵۴] تاریخ بغداد، ص ۳۴۸، ج ۱۳، امام حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب البغدادی۔

اجتہاد کے ہر مرتبہ کے لیے شرائط موجود ہیں۔ لہٰذا مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کے لیے بھی شرائط ہیں۔ ہر منصب کے لیے اس کے مناسب شرائط مقرر کئے جاتے ہیں۔ مجتہد مطلق کا منصب چونکہ عظیم ہے اس کے شرائط بھی اس منصب کے مناسب ہونے چاہئیں۔

اور یہ بات بھی انسانی فطرت میں شامل ہے کہ نااہل ہونے کے باوجود انسان اعلیٰ منصب کا شوق رکھتا ہے مگر اس منصب کے شرائط اس کے لیے مانع قرار پاتے ہیں حالانکہ وہ اعلیٰ منصب ممکن الحصول ہوتا ہے مگر اس کے باوجود نااہل کے لیے ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔[۵۵]

اجتہاد مطلق اور اجتہاد فی الشرع ممکن ہے اور اس کی شرائط ممکن الحصول ہیں مگر شرائط کے حصول کے بغیر اجتہاد ممکن نہیں۔ اس حقیقت کے باوجود بعض لوگ غلط تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کو شوق ہو تو وہ شرائط کے حصول کی کوشش کریں نہ کہ شرائط کو کالعدم قرار دیں۔[۵۶]

۲۔ اجتہاد مطلق کی شرائط

شرائط وہ خارجی امور ہوتے ہیں جو کسی شے سے مقدم ہو کر اس کے وجود کے لیے موقوف علیہ بنتے ہیں اور اس شی کا وجود ان امور کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ان امور کے وجود سے اس شے کا وجود بھی متحقق ہو جائے۔ بلکہ اس شے کے وجود کے لئے کسی اور علت کا پایا جانا ضروری ہو گا۔[۵۷]

شرعی اجتہاد چونکہ قرآن و حدیث سے استنباط کے ملکہ کا نام ہے اس لیے یہ مفہوم جن امور پر موقوف ہو گا وہ اس اجتہاد کے لیے شرائط قرار پائیں گے۔

چونکہ استنباطِ احکام، قرآن و حدیث کے الفاظ و معانی سے متعلق ہے اور یہ امر واضح

---

۵۵ تاریخ المذاہب الفقہیہ، ص ۸۲، علامہ ابو زہرہ مصری۔

۵۶ تاریخ المذاہب الفقہیہ، ص ۱۱۰، علامہ ابو زہرہ مصری۔

۵۷ دائرہ المعارف الاسلامیہ، ص ۶۷۰، ج ۱۱، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

ہے کہ لفظ بغیر معنیٰ اور معنیٰ بغیر لفظ معتبر نہیں اس لیے لفظ بحیثیت دال علی المعنیٰ اور معنیٰ بحیثیت مدلول لفظ معتبر ہوتا ہے۔ جبکہ معنیٰ پر لفظ کی دلالت وضع کئے بغیر ممکن نہیں اس لیے لفظ کی بحث میں لفظ موضوع معتبر ہوگا۔ لہٰذا یہاں لفظ وضع، دلالت اور معنیٰ کی بحث مقدم ہوگی۔[۵۸]

اور پھر لفظ کی وضع لغوی، عرفی، اصطلاحی اور شرعی، معلوم کرنے کے بعد ہر وضع کے لحاظ سے لفظ کی اقسام پھر ان میں سے ہر قسم کی دلالت کے لحاظ سے اقسام، اس کے بعد دلالت کی تینوں قسموں کے اعتبار سے معنیٰ کا مرحلہ آئے گا تو اب معنیٰ کے اعتبار سے دیکھنا ہوگا کہ لفظ موضوع کی جو دلالت معنیٰ پر ہو رہی ہے، اس میں ظہور ہے تو کس درجہ اور اگر خفا ہے تو کس درجہ کا ہے۔

اس لیے معنیٰ کے لحاظ سے ظہور و خفا کی اقسام معلوم کرنا ہوں گی۔ اس کے بعد لفظ موضوع دال علی المعنیٰ کے استعمال کے لحاظ سے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس لفظ کو حقیقی اور وضعی معنیٰ یا کسی اور معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے اور پھر ہر صورت میں یہ دیکھنا ہے کہ یہ لفظ کسی معنیٰ میں معروف اور متعین ہو چکا ہے یا نہیں؟ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اگر یہ لفظ مجازی معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے تو کس مناسبت سے۔ ان مناسبات اور علاقات وغیرہ کو معلوم کرنا اور پھر قرینہ کی بنا پر اس میں سے کسی ایک کو متعین کرنا ہوگا تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہاں مجاز کی کونسی قسم ہے۔[۵۹]

ان تمام مراحل کے بعد آخر میں مراد کو سمجھنے کا مرحلہ آتا ہے کہ مخاطب مراد کا فہم لفظ سے حاصل کرتا ہے یا معنیٰ سے اگر لفظ سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسی مراد کو حاصل کرنا چاہتا ہے

---

[۵۸] الحدیقۃ الندیہ: ص ۲۹۸، ج ۱؛ علامہ عبدالغنی نابلسی۔

[۵۹] الموافقات: ص ۱۱۴، ج ۴؛ امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔ الملل والنحل، ص ۲۰۰، ج ۱؛ امام عبدالکریم شہرستانی۔ الحدیقۃ الندیہ: ص ۲۹۸، ج ۱۔ علامہ عبدالغنی نابلسی۔

جس کے لیے متکلم نے کلام کیا ہے یا کسی اور مراد کو چاہتا ہے اور اگر معنی سے فہم مراد چاہتا تو لغوی معنی اسے یا اصطلاحی معنی اسے اپنی مراد کو حاصل کرنا چاہتا ہے غرض کہ لفظ، وضع، دلالت استعمال اور فہم مراد تک لفظی ابحاث سے گزرنا پڑے گا جبکہ ان ابحاث کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ان ابحاث پر ملکہ حاصل کرنے کے بعد قرآن وحدیث کی طرف رجوع کا مرحلہ آتا ہے کیونکہ مذکورہ ابحاث کا تعلق تو لفظ سے تھا خواہ وہ کسی بھی زبان کا ہو۔ قرآن وحدیث چونکہ عربی زبان میں ہیں اس لیے عربی زبان کی خصوصیات کا علم بھی ایک مرحلہ ہے کیونکہ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت نے اسے خصوصی مقام دیا ہے جو کہ دوسری کسی زبان کو حاصل نہیں ہے۔ دوسری تمام زبانیں اس کے مقابلہ میں عجمی قرار پاتی ہیں، اس لیے عربی کے خصوصیات اور امتیازات کا علم ایک علیحدہ مرحلہ ہے جو سَر کرنا ہوگا۔[۶۰]

پھر کلام رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی حدیث شریف جس کی خصوصیات تمام عربی زبان سے بڑھ کر ہیں اسی لیے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اوتیت جوامع الکلم[۶۱]، فرمایا۔ حدیث شریف جیسی جامع کلام کا احاطہ کرنے کے لیے عربی فصاحت و بلاغت کی انتہائی حدوں کو چھونا ضروری ہے۔ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس نے بلاغت کے میدان میں تمام بلغاء عرب کو فاتوا بسورۃ من مثلہ، کا چیلنج کیا ہے جس کے جواب میں بلغاءِ عرب کے تمام فنون اپنی بےبسی کا اعتراف کرتے ہوئے کلام اللہ کو حدِ اعجاز قرار دے چکے ہیں اس لیے قرآن پاک جیسے کلام کو سمجھنے کے لیے علم بلاغت کی آخری حدوں کے ماوراء ایک خصوصی استعداد کی ضرورت ہے جس سے اس کو سمجھا جانا ممکن ہے۔[۶۲]

---

[۶۰] الموافقات، ص ۱۱۴، ۱۱۵، ج ۴، امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔ تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۰؛ علامہ ابو زہرہ مصری

[۶۱] مسلم شریف، ص ۲۰۰، ج ۱۔ امام عبدالکریم شہرستانی۔

[۶۲] الحدیقۃ الندیہ: ص ۲۹۸، ج ۱۔ علامہ عبدالغنی نابلسی۔ مختصر المعانی فن اول، ص ۵۴، علامہ جلال الدین دوانی
الموافقات، ص ۱۱۴، ۱۱۵، ج ۴، امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔

اس بحث کا مقصد یہ بات واضح کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کے الفاظ اور معانی کے فہم کے لیے تمام علوم عربیہ اور علوم بلاغت میں ملکہ حاصل کرنا ازبس ضروری ہے جبکہ ان علوم کے اصولی اقسام کم ازکم چھ ہیں۔ جن میں سے ہر قسم کئی فنون پر مشتمل ہے حالانکہ ابھی تک قرآن و حدیث کے الفاظ اور معانی وضعیہ تک ہی رسائی ممکن ہوئی ہے[۶۳]

اور اگر قرآن وحدیث کے مرادی معانی کا فہم مقصود ہو تو پھر شرعی احکام کا استنباط کرنے[۶۴] کے لیے قرآن وحدیث سے متعلق علوم میں ملکہ اور مہارت حاصل کرنا لازمی ہوگا کیونکہ قرآن و حدیث کے متعلق خصوصی احکام ہیں جن کے مطابق قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح اور اس کے بیان میں کوئی شخص ذاتی رائے سے کوئی بات نہیں کر سکتا من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ من النار۔ دوسری روایت میں بغیر علم کی بجائے برأیہ کے الفاظ ہیں ایک روائت میں فرمایا گیا: من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطاء۔ یعنی قرآن پاک میں رائے زنی سے کام لینے والے کے لیے یہ وعیدیں فرمائی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ بغیر علم اور بغیر دلیل شرعی کے اپنی رائے اور فہم سے کوئی بات درست کہہ دی جائے تو وہ بھی غلط ہوگی اور یہ جرم ہوگا۔[۶۵]

اسی طرح کی وعیدیں حدیث کے بارے میں بھی موجود ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن فہمی کے لیے علم تفسیر، اصول تفسیر، قرآن پاک سے متعلق تواریخ وغیرہ میں مہارت، خصوصی طور پر مجتہد کے لیے احکام سے متعلقہ آیات کی جملہ قرأت کا علم بھی ضروری ہے[۶۶] اسی طرح حدیث

---

۶۳ الفضل الموہبی؛ ص ۹؛ امام احمد رضا خاں بریلوی۔ الموافقات؛ ص ۱۱۴؛ ج ۴؛ امام ابواسحٰق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی۔

۶۴ بحر الرائق؛ ص ۲۶۵؛ ج ۶؛ امام زین الدین ابن نجیم مصری۔ الملل والنحل؛ فن ۲؛ ج ۱؛ امام عبدالکریم شہرستانی۔

۶۵ ترمذی؛ ص ۴۱۹؛ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔ ابوداؤد؛ ص ۵۱۴؛ امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث

۶۶ الحدیقۃ الندیہ؛ ص ۳۳۹؛ ج ۲؛ علامہ عبدالغنی نابلسی۔

میں بھی متعدد مراحل طے کرنے ہوں گے کیونکہ حدیث کی صحت اور قبولیت معلوم کرنے کے لیے راویوں سے متعلق فن نقد رجال جس میں ہر راوی کی سوانح اور اس کا صدق، حفظ وضبط اور اس کی ثقاہت معلوم کرنا ہوگی تاکہ معلوم ہو سکے کہ صفاتِ رواۃ کے لحاظ سے یہ حدیث کس مرتبہ میں ہے اور وصل وانقطاع کے لحاظ سے کون سی قسم ہے۔[67]

اس کے بعد تمام کتب احادیث یا ذخیرۂ حدیث میں سے معلوم کرنا ہوگا کہ اس حدیث کے راویوں کی تعداد کتنی ہے تاکہ تعداد رواۃ کے لحاظ سے اس کو تواتر یا شہرت اور غرابت میں سے کس درجہ میں شمار کیا جائے؟ اور تاکہ حجیت کے لحاظ سے اس سے ماخوذ حکم کی نوعیت معلوم ہو سکے۔[68]

جبکہ تیسرا مرحلہ نہایت دقیق ہے کہ اگر حدیث میں کوئی وجوہ وعلل قادحہ ہوں تو غور وفکر سے ان کو معلوم کرے۔[69] مگر ابھی ان تین مراحل سے صرف حدیث کی قسم معلوم ہوگی اور یہ متعین ہو گا کہ یہ حدیث قابلِ استدلال ہے یا نہیں؟ یہاں تک ایک اعلیٰ محدث کی رسائی تو ہو سکتی ہے مگر اجتہاد کا کام ابھی باقی ہے یہ ضروری نہیں کہ علوم عربیہ اور علوم قرآنیہ میں مہارت اور اس کے بعد فن حدیث اور اس کے معارف پر ملکہ حاصل کر لینے پر کوئی شخص مجتہد قرار پائے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ جنہوں نے اس مرتبہ تک کمال حاصل کر لیا اور یہاں تک علوم حاصل کر لیے کہ اپنے اندر اجتہاد کی قوت محسوس فرمانے لگے حتیٰ کہ فقہاءِ محدثین میں سے بعض نے ان کو مجتہد بھی مانا مگر بخاری شریف میں ان کے استدلالات کو پیش نظر رکھا جائے تو تسلیم کرنا

---

[67] الفضل الموہبی، ص ۸، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

[68] ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍ ؍

[69] مقدمہ ابن الصلاح، ص ۴۲، امام ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن۔ الفضل الموہبی، ص۹، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

پڑتا ہے کہ ابھی اجتہاد کی منزل بہت آگے ہے[۵۷] اس لیے امام سفیان بن عیینہ جو امام شافعی اور امام احمد کے استاد اور امام بخاری کے دادا استاد عظیم محدث، فقیہ اور تابعی ہیں نے فرمایا الحدیث مُضلۃ الا الفقہاء، جس کی تشریح علامہ ابن الحاج مکی نے مدخل میں یوں فرمائی:

"یرید ان غیرہم قد یحمل الشئ علی ظاہرہ ولہ تاویل من حدیث غیرہ او دلیل یخفیٰ علیہ بما لا یقوم بہ الا من استبحر و تفقہ۔" یعنی امام سفیانؒ کا مقصد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنی سمجھ آئے اُسی کو لے لیتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے یا یہاں کوئی دلیل ہے جس پر وہ محدث مطلع نہیں جبکہ ان امور پر صرف مجتہد ہی کو قدرت ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام اعمش نے امام ابو حنیفہؒ سے متعدد مسائل پوچھے جن کو آپ نے حل کر دیا تو امام اعمش نے فرمایا یہ جوابات آپ نے کہاں سے حاصل کیے؟ آپ نے جواب دیا ان احادیث سے جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ اس پر امام اعمش نے فرمایا تعجب ہے جو احادیث میں نے آپ کو ایک سو دن میں سُنائی ہیں وہ آپ نے مجھے ایک ساعت میں بیان کر دیں۔ اور پھر فرمایا "یا معشر الفقہاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ" یعنی ہم محدثین صرف عطار ہیں اور اے گروہ فقہا! آپ طبیب ہیں[۵۸] معلوم ہوا کہ علوم عربیہ، علوم بلاغت، علوم قرآنیہ اور فن حدیث و معارف حدیث کے حصول کے باوجود اجتہاد فی الشرع کا مقام حاصل ہونا ضروری نہیں اس حقیقت کو خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا "نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فحفظہا و وعاہا و اداہا فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔

---

[۵۷] الفضل الموہبی، ص ۹، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

[۵۸] مدخل، ص ۱۲۲، ج ۱: علامہ ابن الحاج مکی۔ الفضل الموہبی، ص ۱۰: امام احمد رضا خاں بریلوی۔

اللہ تعالیٰ اس بندہ کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی اور محفوظ کیا، اور ٹھیک دوسروں تک پہنچا دی۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس کی فقاہت کا علم نہیں رکھتے جبکہ دوسروں کو ان سے زیادہ لیاقت ہوتی ہے۔[۵۴۲]

علوم قرآن و سنّت کے علاوہ اجماع و اختلاف کے مواضع اور اصول و قواعدِ قیاس کا علم، فقیہ النفس، صحیح العقیدہ اور اخلاص نیت بھی شرائط ہیں۔[۵۴۳]

اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ بالا علمی شرائط کو پورا کر لینے کے بعد بھی مجتہد مطلق بن جانا ضروری نہیں بلکہ ملکہ اجتہاد کے لیے کچھ باطنی امور ایسے بھی ہیں جو مجتہد کی اہلیت کے لیے معاون ہوتے ہیں۔[۵۴۴] انہی باطنی کیفیات کے حصول کے لیے فقہاء کرام نے مجتہد کے لیے شخصی شرائط کے تحت فرمایا کہ وہ عاقل و بالغ اور عادل ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی نیکی کا پابند ہو اور ہر قسم کی آلائش سے پاک اور مقاصد شرعیہ، مصالح اسلامیہ کے فہم کا ملکہ رکھتا ہو اور عوام الناس کے عرف و محاورات کو سمجھتا ہو۔ ان امور سے اللہ تعالیٰ شرح صدر فرماتا ہے جس کو بصیرت کہا جاتا ہے۔[۵۴۵]

تاہم شرائط کا فقدان ہے تو ان کو غیر ضروری قرار دینے کا بھی کوئی جواز نہیں اور نہ ہی ان کو کالعدم قرار دینے کی ضرورت ہے اس وقت شوق اجتہاد کی ضرورت نہیں بلکہ مسائل کے حل کی ضرورت ہے جبکہ حل کے لیے قواعد اور مواد موجود ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

---

۵۴۲ ترمذی شریف: ص ۱۳۸۰، ج ۲، امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی۔

۵۴۳ بحرالرائق: ص ۲۶۵، ج ۲، امام زین الدین ابن نجیم مصری۔

۵۴۴ تاریخ المذاہب الفقہیہ: ص ۱۰۹، علامہ ابوزہرہ مصری۔ الفضل الموہبی: ص ۹، امام احمد رضا خاں بریلوی۔

۵۴۵ الموافقات: ص ۱۲۷، ج ۲، امام ابواسحٰق شاطبی۔ تاریخ المذاہب الفقہیہ: ص ۱۰۹، علامہ ابوزہرہ مصری۔

وضع کردہ قواعد واصول کی وسعت سے فائدہ اٹھایا جائے آپ نے ضرورت[1]، حرج[2]، عرف[3] تعامل[4]، اہم ملی ضرورت[5] کے حصول اور انتہائی ملی فساد کے رفع کرنے کو لاینحل مسئلہ کے حل کے لیے بنیاد قرار دیا ہے لہٰذا معاشرتی ضرورت کے تحت ان چھ اصول میں سے کسی کو استعمال کرنا امام ابو حنیفہ کا وقتی اجتہاد قرار پائے گا۔ بشرطیکہ وہ مسئلہ آپ کے دوسرے قواعد کے تحت کسی طرح حل نہ ہوتا ہو۔[56]

دورحاضر کے شائقینِ اجتہاد کو غلط فہمی ہے جس کی بنا پر وہ اجتہاد کو معمولی اور آسان سمجھتے ہوئے اجتہاد مطلق کا واویلا کر رہے ہیں اور اس کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔

میرے خیال میں ایک غلط فہمی تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان حضرات کو مجتہد مطلق کے مفہوم سے آگاہی نہیں جس کا جواب اوپر بحث میں آچکا ان کی دوسری غلط فہمی غالباً یہ ہے کہ وہ قیاس کو اجتہاد مطلق قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اگر اجتہاد کے یہی معنی ہیں تو پھر یہ اجتہاد حنفی مفتیان کرام کا روزمرہ کا معمول ہے اور زور شور سے جاری ہے جس کی بنیاد پر مفتیان کرام روزمرہ کے مسائل کا حل پیش کر رہے ہیں۔

مگر یہ واضح ہونا چاہیے کہ قیاس اور اجتہاد مطلق دو مختلف چیزیں ہیں کیونکہ قیاس میں غیر منصوص امر کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس کی علت مؤثرہ تلاش کی جاتی ہے تاکہ کسی منصوص امر کی علت کے ساتھ اس کا اشتراک ثابت کر کے منصوص حکم کو اس غیر منصوص میں منتقل کیا جائے جبکہ اجتہاد میں اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے وہ یہ کہ کسی ایسے امر کی علت تلاش کی جائے جس کا حکم منصوص ہو مگر اس کی علت معلوم نہ ہو کیونکہ جب تک اس منصوص امر کی علت معلوم نہ ہو اس وقت تک کسی دوسرے امر کا اشتراک معلوم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس منصوص حکم کو منتقل کیا جا سکتا

---

[56] اجلی الاعلام، ص ۹، امام احمد رضا خاں بریلوی ۔ فتاویٰ رضویہ، ص ۳۸۵ : ج ۱؛ امام احمد رضا خاں بریلوی۔ رسم المفتی، ص ۶۵؛ امام ابن عابدین شامی۔

ہے اس لئے مجتہد اس منصوص الحکم میں حکم کی علت تلاش کرتا ہے تاکہ اس حکم میں کسی دوسرے امر کو اشتراک علت کی بناء پر شریک کیا جائے۔ قیاس میں جو عمل ہوتا ہے اس کو اصولِ اصطلاح میں تخریج المناط کہا جاتا ہے اور مجتہد جو عمل کرتا ہے اس کو تنقیح المناط کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ مجتہد کا عمل پہلے ہوتا ہے جس کے نتیجے میں قیاس کو عمل میں لایا جاتا ہے، جبکہ قیاس کا عمل غیر مجتہد بھی کر سکتا ہے [۵۷]

اس کے باوجود اگر غلط فہمی باقی ہو تو پھر اس کا مطلب واضح ہے کہ یہ لوگ معاشرتی مسائل کا حل نہیں چاہتے بلکہ معاشرہ میں فساد و افتراق چاہتے ہیں کیونکہ نفسانی خواہشات کا بے لگام غلبہ معاشرہ کو تباہ کر دیتا ہے اسی لئے حالیہ دور کے مفکر اور فقیہ علامہ ابو زہرہ مصری نے اجتہادی ضرورت کے داعی ہونے کے باوجود مذکورہ بالا شرائط کو متفق علیہ طور پر لازمی قرار دیا ہے [۵۸] واللہ اعلم بالصواب۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ

[۵۷] الموافقات: ۹۵/۹۶: جلد ۴۔

[۵۸] تاریخ المذاہب الفقہیہ: ۱۰۰/۱۰۱۔